۲ ۱

نظرات

سعید احمد اکبرآبادی

دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے بعض فنون کی بھی تکمیل کر لینے کے فوراً بعد کم و بیش چودہ تین برس میں نے شیخ العرب والعجم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ الکشمیری اور ان کی جماعت کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات) میں گزارے ہیں۔ ان کو میں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اپنی زندگی کے بہترین سال شمار کرتا ہوں کیونکہ اگرچہ دیوبند کے شش سالہ قیام میں بھی درس و تدریس کے علاوہ اکابر اساتذہ کی معیت و صحبت کے فیض و شرف سے باریاب رہا لیکن ڈابھیل کی بات ہی اور تھی، یہاں ایک عالیشان کوٹھی تھی جس کے مختلف کمروں میں حضرت شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا سراج احمد رشیدی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور یہ خاکسار ہم سب ایک جگہ رہتے تھے۔ چوبیس گھنٹے کا ساتھ کھانا پینا، نشست و برخاست سب یکجا۔ اس لئے ان بزرگوں کو خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی ہر رنگ اور ہر شکل میں دیکھا، اور اس سے مستفید ہوا۔ اللہ اکبر! علم و عمل، صلاح و تقویٰ اور امانت و دیانت کے کیسے پیکر تھے یہ لوگ؟ بعض اوقات خیال ہوتا تھا کہ صدیاں بیچ میں حائل ہو گئی ہیں ورنہ یہی حضرات اگر عہد نبوت میں ہوتے تو ان میں کوئی عبداللہ بن عمر ہوتا کوئی عبداللہ بن عباس اور کوئی عبداللہ بن مسعود،

میں کم عمر تھا اور سب کا خورد اس لیے ہر ایک محبت کرتا اور شفقت کی نظر رکھتا تھا حضرت شاہ صاحب کو توجہِ خاص تھی۔ میرے درس کے لیے جو کتابیں تجویز ہوتیں ان کا انتخاب حضرت ہی کرتے اور پھر باقاعدہ اس کی نگرانی فرماتے کہ درس کیسا ہو رہا ہے۔ ان کتابوں کی نشاندہی فرماتے جن کا مطالعہ مفید اور ضروری ہوتا اگر کہیں مجھے اشکال پیش آتا اور میں دریافت کرتا تو فوراً جواب نہ دیتے بلکہ فرماتے فلاں کتاب کے فلاں فلاں الابواب پڑھ لو اور پھر میرے پاس آؤ۔ اس کی تاکید ہمیشہ فرماتے کہ ثانوی درجہ کی کتابوں کے بجائے امہاتِ کتب کا مطالعہ کروں، اس زمانہ میں دیوبند سے ایک ہفتہ وار اخبار "مہاجر" کے نام سے نکلتا تھا یہ اخبار ہماری جماعت کا ترجمان تھا اور میں اس کا مستقل مضمون نگار تھا۔ اس کی ہر اشاعت میں نام کے ساتھ یا بغیر نام کے میرا ایک آدھ مضمون ضرور ہوتا تھا۔ میرے یہ مضامین حضرت شاہ صاحب کی نظر سے گذرتے تھے، ان میں اگر کوئی اچھی بات ہوتی تو تحسین اور کوئی سقم ہوتا تو تنبیہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ لاہور سے آنے کے بعد میں نے "مقبرۂ نور جہاں پر ایک لمحۂ اشک" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو خالص ادبی تھا اس میں میں نے پہلے اس کی تصویر کشی کی تھی کہ نور جہاں کون تھی اور کس صاحب اورنگ و حشم شہنشاہ کی چہیتی رفیقۂ حیات تھی اور اس کے بعد مقبرہ جس خراب خستہ حالت اور عالم کس مپرسی میں پڑا تھا اس کی منظر نگاری کی تھی حضرت الاستاذ نے مہاجر میں یہ مضمون پڑھا تو آبدیدہ ہو گئے۔ فوراً مجھ کو کمرہ سے بلا کر داد دی اور فرمانے لگے ماشاء اللہ قلم میں بڑی توانائی ہے۔

اب سنیئے! اس زمانہ میں "پردہ" ملک میں شدید موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ اس کے حامی اور مخالف دونوں کی طرف سے پرزور مضامین نکل رہے تھے اور بحث بڑی سرگرمی سے جاری تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی ایک معرکۃ الآراء مقالہ لکھا تھا جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا تھا۔ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس کو پڑھ کر